OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

ریاست مدینہ کے استحکام میں بیت المال کا کردار: سیرت طیبہ کی روشنی میں

The role of Bait-ul-Mal in the stability of the state of Madinah in the Light of Seerah Tayyeba

ڈاکٹر احمد رضا
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
ڈاکٹر سید وحید احمد
ریسرچ انویسٹی گیٹر دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

The treasury of the Muslim state or the special treasury of the Islamic empire which the Islamic government spends for the welfare of the common people. The treasury is both the bank of the Muslim people and the national treasury. Also the guarantor of the property, the institution of commerce, the protector of the trust and the public treasury of the central institution of the Muslims. Given the sources and uses of the treasury, the concept of the treasury is that the existence of a public treasury is necessary for the government of Rabbani (Islamic caliphate) to use the economic system of Islam. The safe haven of this treasury is called the treasury and although sometimes the treasury is widely applied to the entire financial system, in general terms it is applied to the safe place of the central treasury. The treasury is spent on the welfare of Muslims. The role of Bait-ul-Mal has been the most important factor in the stability of the state of Madinah since the time of the Prophet (sws) and this role will continue forever in Islamic states.
Key Words: Treasury, Muslim state, economic, financial system.

موضوع کا تعارف

بیت المال مسلم ریاست کے خزانے یا اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو اسلامی حکومت عام رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرتی ہے۔ بیت المال مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی۔ ملی جائداد کا ضامن بھی، تجارت کا ادارہ بھی، امانت کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی۔ بیت المال

کے ذرائع اور استعمال کو دیکھتے ہوئے بیت المال کا تصور یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے حکومت ربانی (خلافت اسلامی) کے لیے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔اس خزانہ کے محفوظ مقام کو بیت المال کہتے ہیں اور اگرچہ کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔بیت المال مسلمانوں کی فلاح وبہبود پر خرچ ہوتا ہے۔عہد نبوی ﷺ سے ہی ریاست مدینہ کے استحکام میں بیت المال کا اہم ترین کردار ہے اور اسلامی ریاستوں میں یہ کردار ہمیشہ جاری رہے گا۔زیر بحث عنوان کے تحت سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے بیت المال کے کردار کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔مقالہ کے اختتام پر قابل عمل تجاویز بھی دی گئی ہیں۔

بیت المال کا آغاز وارتقاء

بیت المال کا لغوی معنی ہے خزینۃ المال[1] یعنی مال کا خزانہ[2]۔ مال یا دولت کا گھر[3]۔بیت المال کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلم ریاست کے خزانے یا اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو ریاست بلکہ اسلامی حکومت عام رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرتی ہے۔بیت المال سے مراد مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی، ملی جائداد کا ضامن بھی، تجارت کا ادارہ بھی، امانت کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی۔بیت المال کے ذرائع اور استعمال کو دیکھتے ہوئے بیت المال کا ایک تصور یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے حکومت ربانی (خلافت اسلامی) کے لیے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔اس خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں اور اگرچہ کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔[4]

ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست اپنی مالیاتی پالیسی کو بروئے کار لانے کے لیے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ ''بیت المال'' کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے نظام مالیات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے[5]۔بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم کے نمائندوں کے مشورے کے مطابق ہونا چاہیے۔مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے[6]۔بیت المال کے معنی خزانہ ہیں۔اس کا اطلاق محض عمارت پر نہیں بلکہ در حقیقت ریاست کے ذرائع کو خزانہ کا نام دیا گیا ہے نہ کہ اس عمارت کو جہاں کاروبار ریاست ظہور پذیر ہوتے ہیں، بلکہ در حقیقت یہ اعداد و شمار کے معنی میں آتا ہے۔بیت المال تمام مسلمانوں کی مشترک ملک سمجھا جاتا ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

مال بیت المال مال عامۃ المسلمین

"بیت المال کا مال عامۃ المسلمین کا مال ہے"۔

بیت المال اپنے جامع مفہوم میں وہ ادارہ ہے جو اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی کو بروئے کار لانے اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ البتہ اپنے سادہ اور عام فہم مفہوم میں بیت المال اس عمارت کو بھی کہتے ہیں جو سرکاری خزانہ کا محفوظ مقام ہوتا ہے۔ اپنے جامع مفہوم کے اعتبار سے تو بیت المال کی بنیاد عہدِ رسالت ہی میں پڑ چکی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے بحرین، یمن اور عمان سے آنے والی خراج اور جزیہ کی رقم کو فقراء اور دیگر صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ اسلام کی مالیاتی پالیسی کا مقصد غربت اور افلاس کے خاتمہ کے ساتھ معاشی خوش حالی کا حصول بھی ہے[8]۔ عہدِ رسالت میں بحرین، یمن اور عمان سے جزیہ، خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی وہ مسجدِ نبوی کے صحن میں رکھ دیا جاتا، البتہ عہدِ صدیقی میں بیت المال کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اس کا سب سے پہلا نگران مقرر فرمایا۔ اس دور میں بھی بیت المال کے لیے کوئی عمارت نہ بنائی گئی۔[9]

عہدِ حضرت عمر فاروقؓ میں مکمل ادارہ بنایا گیا اور اس کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد باقاعدہ عمارت بھی تعمیر کی گئی۔ اسلام میں عہدِ فاروقی سے قبل نہ تو اس قدر کثیر رقم آئی تھی کہ جس کے رکھنے کے لیے بیت المال یا خزانہ کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ۱۵ھ میں بیت المال کی ابتداء یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ درہم آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کثیر رقم کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تجویز دی کہ اس کو ایک سال کے اندر تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی مخالفت کی۔ ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام میں خزانہ اور دفتر جدا جدا محکمہ دیکھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس تجویز کو پسند کیا اور "بیت المال" کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں "بیت المال" قائم ہوا اور اس کے نگران کے لیے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے اور حساب کتاب میں مہارت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ حکومت نے دوسرے صوبوں کے صدر مقامات پر بھی "بیت المال" قائم کئے۔[10] اور ان کے لیے جداگانہ افسر مقرر کیے۔

بیت المال کے ذرائع آمدن

اسلامی نظامِ مالیات میں آمدنی کے مختلف ذرائع متعین کئے گئے ہیں۔ اگرچہ نظامِ زکوٰۃ اِس نظام میں آمدنی کا سب سے بڑا اور مستقل ذریعہ ہے۔ تاہم دوسرے ذرائع آمدن بھی قابلِ ذکر حد تک بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسلامی بیت المال کے اہم ذرائع آمدن درج ذیل ہیں:

اموالِ غنیمت

عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کے معاشی استحکام کا ایک اہم ترین ذریعہ اموال غنیمت واموال فیٔ تھے۔ عرف شرع میں صرف اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو کفار سے قوت وغلبہ اور لشکر کشی سے حاصل کیا جائے۔ لیکن

کفار کا وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آجائے اسے اصلاح شریعت میں فیی کہتے ہیں[11]۔ یہ اموال صرف امت محمد یہ ﷺ کے لیے حلال کیے گئے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا۔[١٢]

''غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالی طور پر کمزور عاجز دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا''۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمام انبیاء سے افضل کیا ہے۔ میری امت کو تمام امتوں سے افضل کیا اور ہمارے لیے غنیمت حلال کیا ہے۔[13]

مالِ غنیمت میں پانچ حصے ہوتے ہیں۔ جن میں سے خُمُس یعنی پانچواں خاص اللہ تعالیٰ ور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور مالِ فَیَٔ مکمل طور پر بیت المال میں رکھا جائے گا۔[14]

عشر

مسلم کاشت کاروں سے ان کی اپنی مملوکہ اراضی کی زرعی پیداوار کا جو محصول یا لگان حکومت وصول کرتی ہے وہ اصطلاح میں عُشر کہلاتا ہے[15]۔ اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زرعی زمین، عرب کی زمین، مجاہدین اور غانمین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین، وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو اور کسی لاوارث ذمی کی موت پر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین عشری زمین کہلاتی ہے اور عشر اس حصہ مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے[16]۔ اسلام نے زمینی پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) کو بھی زکوٰۃ ہی کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾[١٧]

''اے ایمان والو پاکیزہ اموال میں سے خرچ کرو، جو تم ہاتھ سے کماتے ہو اور جو ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں''۔

ابو بکر جصاص کے قول کے مطابق یہاں ''انفقوا'' سے مراد ''زکوٰۃ ادا کرنا'' بھی ہے اور یہ حکم زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو بھی شامل ہے[18]۔ امام قرطبیؒ کے مطابق ''**واتوا حقه یوم حصاده**'' سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) مراد ہے۔[19]

﴿ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾[٢٠]

"اور کٹائی کے دن اس (زمین کی پیداوار) کا حق ادا کیا کرو"۔

ابو جعفر طبری نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں "حقہ" سے مراد زمینی پیداوار کا عشر اور نصف عشر مراد ہے[21]۔ اگر عشری زمین بارانی ہو یعنی بارش، نہر یا دریائی پانی سے مفت سیراب ہوتی ہو تو پیداوار اُٹھنے کے وقت خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ تمام پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور اگر اس کی پیداوار پر پانی کے اخراجات آتے ہوں مثلاً نہری پانی خرید کر، ٹیوب ویل لگا کر یا کنوئیں کھود کر پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) لیا جاتا ہے۔ رسول کریم کا ارشاد گرامی ہے:

«فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا العُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ»[۲۲]

"وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو یا وہ خود بخود سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے گا اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا"۔

خراج (Land Tax)

خراج بھی اسلامی مالیاتی نظام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی ریاست کی آمدنی کا دوسرا نہایت اہم ذریعہ خراج ہے۔ خراج سے مراد وہ آمدنی ہے جو کسی قطعۂ زمین سے حاصل ہو لیکن اصطلاحی طور پر زمین پر عائد کئے جانے والے ٹیکس کو خراج کہا جاتا ہے[23]۔ جن ممالک پر اسلام نے غلبہ حاصل کر لیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمین مفتوحین کفار ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دی اور جن ممالک کی کفار سے صلح ہو گئی اور وہ حکومتِ اسلامی کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین "خراجی" کہلاتی ہے اور خلیفہ ان زمینوں پر جو محصول مقرر کر دیتا ہے اس کو "خراج" کہا جاتا ہے[24]۔ امام ابو یوسفؒ کی رائے میں "خراج" دراصل "فئ" ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں اور اپنی اراضی کا خراج مسلمانوں کو دینا شروع کر دیں تو "فی" ہی شمار ہو گا۔ وہ کتاب الخراج میں یوں لکھتے ہیں:

فاما الفئی يا امير المؤمنين فهو الخراج عندنا، خراج الارض والله اعلم[۲۵]

"اے امیر المؤمنین ہمارے نزدیک مال فئ سے مراد زمین کا خراج ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں"۔

خراج کا ثبوت بھی قرآن کریم کی نص سے ملتا ہے۔

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

"جو لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں (کفار) سے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول کے لیے اور رسول کی قرابت والوں کے لیے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ دولت تم میں سے دولت مندوں ہی کے درمیان دائر اور محصور نہ رہے"۔

خراج کی دوسری دلیل عہدِ رسالت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے جب خیبر کا علاقہ فتح کیا تو وہاں کی زمین ان کے باشندوں کو خراج مقاسمہ پر دی تھی۔ رسول اللہ نے خیبر کی زمین اور کھجوریں ان کے مالکان کے پاس پھلوں اور غلہ کے نصف خراج پر انہیں دیں اور اس کی وصولی وغیرہ کے لیے عبداللہ بن رواحہ کو مقرر فرمایا[27]۔ خراج کی وصولی کا طریقہ بٹوارے کا تھا۔ اس میں پیداوار کا ایک معین حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ وہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پایا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اہلِ خیبر سے وہاں کی نصف پیداوار پر مصالحت فرمائی تھی۔[28]

یہاں یہ بات اہم ہے کہ خراج زمین پر عائد ہوتا ہے۔ مالک کون ہے اس سے غرض نہیں۔ خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ جو زمینیں ایک دفعہ خراجی قرار دے دی جائیں ان پر ہمیشہ خراج ہی عائد ہو گا خواہ بعد میں وہاں کے باشندے اسلام قبول کر لیں یا وہ زمینیں مسلمان خرید لیں۔

خراج کا نصاب

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خراج کا کوئی نصاب نہیں۔ یہ عشر کی طرح قلیل و کثیر مقدار پر ہے۔[29] حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خراج بالکل عشر کی طرح اسی پیداوار پر ہو گا جس کی مقدار یا قیمت پانچ وسق کے برابر ہو[30]۔ جمہور علماء کے نزدیک عرب کی تمام اراضی جن میں بصرہ بھی شامل تھا عشری اراضی تھی اس کے علاوہ جو ممالک فتح ہوئے مثلاً ایران، عراق، مصر، برصغیر ہندو پاک وغیرہ ان کی اراضی علماء کے نزدیک خراجی تھی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عرب علاقے کو بھی جسے حضور ﷺ نے یہود سے فتح فرمایا تھا خراجی علاقہ قرار دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے جو معاہدہ کیا تھا، اسے خراج مقاسمہ قرار دیتے ہیں۔[31]

خراج مقرر کرتے وقت احتیاط سے مختلف امور کی جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ امام ماوردی لکھتے ہیں کہ "خراج مقرر کرنے والے کو اختلاف زمین، اختلاف کاشت اور سیرابی کے اختلاف کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ زمین کی حیثیت کے موافق کاشتکار اور اہل فئی کے معاملہ میں عدل وانصاف کر سکے، کسی فریق کا نقصان نہ ہو۔ ہر علاقہ کا مختلف خراج مقرر کرنا جائز ہے۔ زمین کی انتہائی حیثیت و وسعت پر خراج نہ لگانا چاہیے۔ اس سلسلے میں نرمی اختیار کی جائے تاکہ کاشتکار مختلف حادثوں اور آفتوں کی کمی پوری کر سکیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج نے عبدالملک بن مروان سے محصولات میں

اضافے کی اجازت چاہی۔ عبدالملک نے اسے منظور نہیں کیا اور جواب میں لکھا کہ جو درہم تم کو ملے اس پر اکتفا کرو اور جو نہ ملے اس کی حرص نہ کرو۔ کاشکاروں کے لیے بھی کچھ چھوڑ دیا جائے تاکہ اس سے وہ راحت کی زندگی بسر کریں۔[32]

ماوردی لکھتے ہیں کہ خراج کی مقدار کے تعین کے بعد حسب ذیل تین امور میں سے جو مناسب ہو اختیار کیا جائے:

۱۔ زمین کی مساحت پر خراج لگایا جائے۔

۲۔ یا کھیتوں کی پیمائش پر

۳۔ یا غلے کی تقسیم کے اعتبار سے

پہلی صورت میں قمری سال کا لحاظ ہوگا اور دوسری صورت میں شمسی سال کا اور مقاسمہ (پیداوار کی تقسیم) کی صورت میں پیداوار کے پکنے اور صاف ہو جانے کو ملحوظ رکھا جائے۔[33]

عاملِ خراج کا تقرر

عامل خراج کے تقرر کے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس منصب پر جس شخص کو مقرر کیا جائے وہ آزاد، امانت دار اور باصلاحیت ہو اور جس شخص کو خراج متعین کرنے کے لیے مقرر کیا جائے وہ فقیہ اور مجتہد ہونا چاہیے مگر صرف وصولی پر مامور شخص کا فقیہ اور مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے۔ عامل خراج کی تنخواہ خراج کی مد سے دی جائے گی، جس طرح زکوٰۃ کے عامل کی تنخواہ زکوٰۃ کی مد میں سے دی جاتی ہے۔[34]

جزیہ (Poll Tax)

اہل کتاب اور کفار میں سے جو لوگ مغلوب ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور اسلامی ریاست کے شہری بن کر رہیں۔ اسلامی ریاست، غیر مسلموں کی حفاظت، سلامتی، عزت نفس اور جان ومال کی ذمہ دار ہے۔ ذمیوں سے ان کی جان ومال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان ومال کے تحفظ کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لیے آمادہ ہوں اور ریاست اس پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے۔[35]

رسول اللہ ﷺ جب مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ فرماتے تو غیر مسلموں کے سامنے تین شروط رکھنے کا حکم دیتے تھے:

- قبول اسلام کی دعوت
- جزیہ کی ادائیگی
- آخری بات جہاد (قتال)[۳۶]

قرآن کریم میں جزیہ کے بارے میں یہ قانونی دفعہ بیان کی گئی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾

''ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کو ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اور تابع ہو کر رہیں''۔

جزیہ کی مقدار کا تعین بھی عہدِ حضرت عمر فاروقؓ میں ہوا آپ نے شروع شروع میں جب زمیوں کے پاس سونا ہوتا تھا ان پر سالانہ چار دینار اور جن کے پاس چاندی ہوتی تھی ان سے چالیس درہم لیے جاتے تھے مگر بعد میں جب لوگوں کی معاشی حالت اچھی ہو گئی تو آپ نے زمیوں میں سے امراء پر 48 دراہم، متوسط لوگوں پر 24 دراہم اور کمانے والوں پر 12 درہم مقرر فرمائے۔[38]

حضرت عمر فاروقؓ کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ کی رقم کی مقدار معاشی حالات کے ساتھ ساتھ گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ گویا یہ ٹیکس متنزاد قسم کا ہے جو ہر شخص پر اس کی مالی حیثیت کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دولت مند، متوسط اور غریب تین درجے بنائے تھے اور ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ جزیہ لگایا[39]۔ اس مقدار میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور اس میں حاکم کے اجتہاد کو بھی دخل نہیں ہے۔ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک جزیہ کی شرح کا تعین امام کی صوابدید پر موقوف ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار متعین ہے اس سے کم نہیں ہو سکتی اور اس مقدار سے زیادہ کا تعلق امام کی رائے سے ہے نیز امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق سب سے مساوی لے یا مختلف لوگوں پر مختلف مقدار متعین کرے[40]۔ عصر حاضر میں غیر مسلم افراد کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام شہری حقوق جو ایک مسلمان شہری کو حاصل ہیں غیر مسلم شہری کو بھی حاصل ہیں۔ ریاست اس کے ضمن میں اس سے ٹیکس وصول کرتی ہے جو جزیہ ہی کی ایک متبادل صورت ہے۔۔

زکوۃ

اسلامی ریاست کے بیت المال یا سرکاری خزانہ کے مالی ذرائع میں سے اہم ترین زکوۃ ہے۔ زکوۃ نہ صرف اسلام کے نظام مالیات کا اہم ترین ستون ہے بلکہ وہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے دوسرا اہم ترین رکن بھی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ نظام زکوۃ کے بارے میں ارشادات ربانی کی ابتداء مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور ہی سے ہو چکی تھی۔ مگر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی ضروریات محدود تھیں۔ اس لیے وہاں نظام زکوۃ بالکل سادہ اور ابتدائی نوعیت کا

تھا لیکن مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آگیا، تو نظام زکوۃ ایک مربوط شکل میں نافذ کیا گیا۔ جس سے حکومت کے اخراجات بھی پورے ہوتے اور حکومت ہی کی وساطت سے فقراء اور مساکین کی ضروریات کا بھی بندوبست کیا جاتا تھا۔[41]

بیت المال کے مصارف

فقہاءِ اسلام نے بیت المال کی آمدنیوں کو مصارف کے لحاظ سے چار مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں کہ بیت المال کے محاصل کو چار مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے جدا جدا ''چار بیوت اموال'' قائم کرنے چاہئیں مگر یہ چاروں مرکزی بیت المال کے تحت رہیں گے۔ اسلامی ریاست کے سرکاری خزانے کے درج ذیل چار شعبے ہوں گے:

پہلا شعبہ: مال غنیمت، کنز اور رکاز کے ''خمس'' اور صدقات کی آمدنیوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا شعبہ: زکوۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ تجارتی محصول (عشور) سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا شعبہ: خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول کردہ عشور، فئی، کراء الارض، غیر مسلمانوں سے تحائف اور ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس) پر مشتمل ہے۔

چوتھا شعبہ: اموال فاضلہ سے تعلق رکھتا ہے۔[۴۲]

پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف کو قرآن کریم نے خود متعین کیا ہے جن کو ''مصارف ثمانیہ'' کہا جاتا ہے۔ تیسرے شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم و نسق اور انتظام و انصرام کے اخراجات پر مشتمل ہیں۔ چوتھے شعبے کے مصارف رفاہِ عامہ اور فلاح کے دیگر تمام کام ہیں[43]۔ فقہاء نے امام (خلیفہ) کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ اگر کبھی ایک شعبہ کے مصارف بڑھ جائیں اور دوسرے شعبہ میں بچت ہو تو اس بچت کو وہ پہلے شعبہ کی ضرورت کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"وعلى الأمام ان يجعل لكل نوع بيتا يختصه وله ان يستقرض من احدها ليصرفه لاخر"۔[۴۴]

''امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر نوع کے لیے ایک خاص شعبہ بنائے اور اس کو ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار ہے''۔

اس ضمن میں قاضی ابو یوسف، خلیفہ ہارون الرشید کو ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا ینبغی ان یجمع مال الخراج الی الصدقات والعشور لان الخراج فئی لجمیع المسلمین والصدقات لمن سمی اللہ عزوجل فی کتابہ[46]

''اور امام کو نہیں چاہیے کہ وہ خراج کی آمدنی کو صدقات اور عشور کی آمدنی کے ساتھ ملائے کیونکہ خراج تو سب مسلمانوں کے لیے مشترک آمدنی ہے اور صدقات تو صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تعیین اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کی ہے''۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس حدود میں کوئی شخص بھی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكَاةِ؛ فَقَالَ: «إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ»[46]

''نبی کریم ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے''۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى الأَغْنِيَاءِ فِي أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ مَا يَكْفِي فُقَرَاءَهُمْ، فَإِنْ جَاعُوا أَوْ عَرُوا وَجَهَدُوا فَمَنَعَ الأَغْنِيَاءُ، وَحَقٌّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُحَاسِبَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُعَذِّبَهُمْ عَلَيْهِ[47]

''اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے مال میں اتنا حصہ فرض کیا ہے جو غریبوں کے لیے کافی ہو۔ اب اگر یہ لوگ بھوکے، ننگے، یا مشقت میں مبتلا ہوں تو اس کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ مال دار ان کو (ان کا) حق نہ دیں پھر اللہ تعالیٰ ضرور ان مال داروں سے محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا''۔

اسلامی ریاست کو اپنا نظم قائم کرنا چاہیے جس میں محروم افراد بآسانی اور بلا تاخیر بیت المال سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور ریاست کا کوئی فرد بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور بیماری کی حالت میں علاج سے محروم نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَاحْتَجَبَ دُونَ حَاجَتِهِمْ، وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ، احْتَجَبَ اللَّهُ عَنْهُ دُونَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ، وَفَقْرِهِ» قَالَ: فَجَعَلَ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ[48]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور حاجت مندی اور فقر وفاقہ سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا، اللہ تعالیٰ بھی ان کی

ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو گا۔ راوی کہتا ہے کہ (حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث سن کر) ایک آدمی کو عوام کی ضروریات پوری کرنے پر مقرر کر دیا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ»[۴۹]

"جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ حاصل کر سکے گا"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ»[۵۰]

"رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل (یعنی وارثوں) کے لیے ہے اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری (کفالت اور مال خرچ کرنا میری ذمی داری ہے) میرے اوپر ہے"۔

یہ بھی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ، [۵۱]

ترجمہ: جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا نگران اللہ اور اس کا رسول ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

لو مات شاة علی شط الفرات ضائعة لظننت ان یسئلنی عنها یوم القیامة[۵۲]

"اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بغیر کفالت مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں بازپرس کرے گا"۔

حضرت عمر فاروقؓ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

انی حریص علی ان لا أری حاجة الا سودتها[۵۳]

"مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں مگر اسے پورا کر دوں"۔

الغرض اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تمام رعایا اور بالخصوص ایسے افراد جن کی حالت قابل رحم ہے ان کی بلا تمیز مذہب و نسل کفالت کرے اور اس کے لیے اسلام کے مالیاتی نظام میں ایک پوری مد مقرر کر دی گئی ہے جو ایسے افراد کی کفالت کے لیے مالیات فراہم کرے گی [54]۔ اسلام کے نظام مالیات میں بیت المال (سرکاری خزانہ) کے چار شعبہ جات مقرر ہیں اور ریاست کا سربراہ بوقت ضرورت ایک شعبہ سے دوسرے کے لیے قرض لے سکتا ہے [55]

۔ سرکاری خزانہ کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے سربراہِ مملکت کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ پہلے اور دوسرے شعبہ محاصل کے لیے وہ صرف محافظ ہیں اور منصوص اہل مصرف (جنہیں قرآن و حدیث نے مقرر کر دیا ہے جیسے زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ) پر ہی خرچ کر سکتے ہیں۔ تیسرے اور چوتھے شعبے کے محاصل میں امیر اپنی رائے اور مجلس شوریٰ کے مشورے سے مصالح حکومت پر مستحقین کی ضرورت کے پیش نظر خرچ کر سکتا ہے۔

نتائج وسفارشات

۱. بیت المال اسلامی ریاست کا خزانہ ہوتا ہے جس کی موجودہ صورت سٹیٹ بینک کی ہے۔
۲. بیت المال عوامی ملکیت ہے جسے عوام پر ہی خرچ کرنا ضروری ہے۔
۳. بیت المال کی ابتدا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی اور خلفائے راشدین نے اسے عروج تک پہنچایا۔
۴. اسلامی ریاست کے بیت المال کو صحیح طور پر کام میں لانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اور حکومت اس کی جواب دہ ہے۔
۵. عصر حاضر میں بیت المال کو عوامی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے تاکہ ملک و قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

حوالہ جات وحواشی

1 المنجد، لوئیس ملوف، دار المشرق، بیروت، ۱۹۶۰ء، ص ۵۵
2 مصباح اللغات، عبد الحفیظ بلیاوی، دہلی ۱۳۶۹ھ، ص ۵۵
3 نقاد اللغات، ظفر نیازی، نقاد بک ڈپو، ۱۹۶۰ء، کراچی، ص ۶۷
4 اسلام کا اقتصادی نظام، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۴ء، طبع دوم، ص ۱۰۸
5 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷/۵
6 معاشیات اسلام، سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹۱
7 الھدایۃ، المرغینانی (۵۳۰۔۵۹۳ھ)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵۰۲/۴
8 اسلام کا نظام محاصل، مولانا، ڈاکٹر، نور محمد غفاری،، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ص ۴۶
9 تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۲۵ھ، طبع اوّل، س ن، ص ۶۴
10 تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون، (مترجم) احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ۳۹۱/۱

11 ردّالمحتار علیٰ حاشیہ الدر المختار، ابن عابدین شامی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۸ھ، کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمتہ، ج۶، ص۲۱۸

12 الجامع الصحیح مسلم، مسلم بن حجاج قشیری، مکتبہ شاملہ، کتاب الجہاد، باب تحلیل الغنائم لھذہ الامۃ خاصۃ، حدیث: ۴۵۵۵

13 سنن ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، مکتبہ شاملہ، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغنیمۃ، حدیث: ۱۵۵۸

14 ردّالمحتار علیٰ حاشیہ الدر المختار، ابن عابدین شامی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۸ھ، کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمتہ، ج۶، ص۲۱۹

15 اسلام کے معاشی نظریے، محمد یوسف الدین، الائیڈ بک کمپنی، جامعہ کراچی، ۱۹۸۴ء، ۲/۶۶۰- ۶۶۱

16 اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص۱۱۷

17 سورۃ البقرہ: ۲/۲۶۷

18 احکام القرآن، ابو بکر جصاص، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۲/۱۷۵

19 الجامع لاحکام القرآن، عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبیؒ، دارالکتب المصریۃ، القاھرہ، طبع دوم، ۱۳۸۴ھ، ۷/۹۹

۲۰ سورۃ الانعام: ۶/۱۴۱

21 جامع البیان، ابو جعفر، محمد بن جریر طبری، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع اوّل، ۱۴۲۰ھ، ۱۲/۱۵۸

22 الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اوّل، ۱۴۲۲ھ، کتاب الزکوۃ، باب العشر، فیما یسقی من ماء السمآء والماء الجاری، رقم الحدیث: ۱۴۸۳، ۲/۱۲۶

23 اسلام کا مالیاتی نظام، شجاعت علی صدیقی، (مترجم) اشرف رشید صدیقی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص۹۱

24 کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام، دارالفکر، بیروت، ۱۳۹۵ھ، ص۹۳۔۹۴

25 کتاب الخراج، ابو یوسف (م ۱۸۲ھ)، دارالمعرفہ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۱۳۰۲ھ، ص۲۳

26 سورۃ الحشر: ۵۹/۶

27 فتوح البلدان، احمد یحیی بن جابر البلاذری، دار ومکتبۃ الھلال بیروت، ۱۹۸۸ء، ۱/۳۶

28 ایضاً، ص۲۲۱

29 کتاب الخراج، ابو یوسف، ص۵۲

30 ایضاً

31 فتوح البلدان، البلاذری، ۱/۸۲

32 الاحکام السلطانیہ، الماوردی، ص۳۳۸

33 الاحکام السلطانیہ، الماوردی، ص۳۳۸

34 الاحکام السلطانیہ، الماوردی، ص ۳۴۲، ۳۴۳

35 نیل الاوطار، محمد بن علی الشوکانی، دار الحدیث القاہرۃ، طبع اوّل، ۱۹۹۳، ۸/۶۳
36 المغنی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ،، مکتبہ ریاض، ریاض، ۸/۴۹۶
37 سورۃ التوبہ: ۹/۲۹
38 کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام، ص ۳۹؛ الاحکام الاسلطانیہ، الماوردی، ص ۲۶۰
39 فتوح البلدان، البلاذری، ۱/۱۲۷
40 الاحکام الاسلطانیہ، الماوردی، ص ۲۱۰
41 اسلامی نظام مالیات، راجہ محمد افسر خان، ص ۸۲
42 اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا، حفظ الرحمٰن سوہاروی، ص ۱۲۷
43 اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا، حفظ الرحمٰن سوہاروی، ص ۱۲۸
44 ردالمحتار علی الدر المختار، ابن عابدین، المکتبۃ الماجدیہ، کوئٹہ، طبع اول، ۱۳۹۹ھ، ۲/۶۳
45 کتاب الخراج، ابو یوسف، ص ۸۰
46 جامع الترمذی، ابو عیسی ترمذی، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء أن فی المال حقا سوی الزکاۃ، رقم الحدیث: ۶۵۹، ۳/۳۹، علامہ الالبانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
47 المحلی بالآثار، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۴/۲۹۱
48 السنن، ابو داود سجستانی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، کتاب الخراج والإمارہ والفی، باب فیما یلزم الامام من أمر الرعیۃ، رقم الحدیث: ۲۹۴۸، ۳/۱۳۵، علامہ الالبانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
49 الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، رقم الحدیث: ۷۱۵۰، ۹/۶۴۔
50 جامع الترمذی، ابواب الاحکام والفوائد، باب ماجاء من ترک مالا فلورثتہ، رقم الحدیث: ۲۰۹۰، ۴/۴۱۳۔ علامہ الالبانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
51 جامع الترمذی، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الخال، رقم الحدیث: ۲۱۰۳، ۴/۴۲۱۔ علامہ الالبانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
52 سیرت عمر بن خطاب، ابن جوزیؒ، ص ۶۱
53 البدایۃ والنھایۃ، ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر (۷۷۴ھ)، دار الفکر، بیروت، ۷/۴۶
54 اسلام کا قانون محاصل، ڈاکٹر، نور محمد غفاری، ص ۱۵۴
55 اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص ۱۳۱